تاثرات

تبلیغی جماعت کا سالانہ اجتماع

پاکستان کی تبلیغی جماعت نے نومبر (۱۰-۱۲) ۱۹۹۲ء کو لاہور سے قریب ایک قصبے رائے ونڈ میں اپنا سالانہ اجتماع منعقد کیا، جس میں پوری دُنیا سے وفود نے شرکت کی، جماعت کے روحانی رہنما مولانا انعام الحسن اور مولانا محمد عمر پالم پوری ہندوستان سے شریک ہوئے۔ ۱۰ نومبر کو راقم نے اپنے تین ساتھیوں (حکیم محمد شریف، مولوی علی محمد، حکیم عطاء اللہ) کے ہمراہ اجتماع میں حاضری دی۔ مولانا انعام الحسن سے پہلی بار ملنا ہوا، جو اپنے مریدانِ باصفا کی بزم میں رونق افروز تھے۔ مولانا پالم پوری اور مولانا جمشید (دارالعلوم دیوبند کے ایک سابق استاذ) سے بھی ملاقات ہوئی۔ مولانا جمشید نے (جن سے میری پُرانی نیازمندی ہے) بتایا کہ اس اجتماع کے انتظام و انصرام کے لیے تقریباً ۲۲ شعبے ہیں۔ ہر شعبے میں کام کرنے والے بغیر کسی معاوضے کے کام کر رہے ہیں۔ ان کے پیشِ نظر رضائے الٰہی کے سوا کچھ اور نہیں۔ مولانا نے مختلف ملکوں میں جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ دُنیا کے کثیر ملکوں میں اہلِ جنوں کی یہ جماعت اپنے خرچ پر قریہ قریہ، بستی بستی پھر رہی ہے اور ایک ہی صدا لگا رہی ہے، "لوگو! خدا کی بندگی کرو۔"

مولانا نے اپنی پوری گفتگو میں کسی دوسری جماعت، گروہ یا فرد کا مطلقاً نام نہیں لیا، اور نہ انھوں نے کسی پر اشارۃً یا کنایۃً طنز و تعریض کے تیر پھینکے۔ گفتگو، تعلّی، تفاخر اور پروپیگنڈے کے ہر دھبے سے پاک تھی۔ مولانا کے علاوہ اور لوگوں سے بھی ملنا ہوا۔

جن میں بعض لوگ سابق سرکاری ملازم تھے۔ سب نے ذکرِ خدا اور آخرت کی زندگی کے سوا کسی دوسرے موضوع پر بات چیت نہیں کی۔ اس دورِ پر آشوب میں دل سے نام و نمود اور شہرت و ناموری کی ہوس کو نکال باہر کرنا یقیناً ایک بڑی ریاضت ہے۔

یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس ؒ نے ۱۹۳۰ء کی دہائی میں میوات، گوڑگاؤں کے علاقے میں غیر اسلامی رسوم و روایات کی تاریکی میں غرق 'مسلم آبادی' میں بڑا کام کیا تھا، جس کی تعریف وقت کے اہلِ علم نے کی تھی، مرحوم مولانا مودودی نے ترجمان القرآن میں مولانا موصوف کی شخصیت کو خراجِ تحسین ادا کیا تھا۔

اپنے مقصد سے گہرے لگاؤ نے جماعت کو آگے بڑھنے کے لیے جوشِ عمل عطا کیا ہے، اب دُنیا کا شاید ہی کوئی ملک ہو جہاں اس جماعت کے نمائندے سادگی اور فروتنی سے اپنے کام میں مصروف نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس اجتماع میں تقریباً دس لاکھ لوگ شریک تھے۔ اتنے بڑے اجتماع میں نظم و ضبط دیدنی تھا، یہاں نہ کوئی نعرہ سنائی دیا، اور نہ کسی دوسرے گروہ یا فرقے پر سبّ و شتم کی کوئی آواز سننے میں آئی۔ اس دور میں جب کہ پوری مسلم سوسائٹی میں نفاق، جھوٹ، رشوت، حبِّ جاہ، فرقہ پرستی اور انتہا پسندی نے اپنے قدم جما رکھے ہیں، تبلیغی جماعت کے قلوب و اذہان کا اللہ کے ذکر اور آخرت کی یاد سے معمور رہنا یقیناً ایک معجزہ ہے۔ بے شبہ آخرت میں جواب دہی کے گہرے شعور کے فقدان سے انسان نے ناقابلِ تلافی نقصان اُٹھایا ہے۔

ہم اِدھر کئی سال سے جماعت کے لٹریچر اور سرگرمیوں کا مطالعہ و مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ہمیں اس بات کا بھی علم ہے کہ مولانا سید حسین احمد مدنی اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے اہلِ علم فرصت کے اوقات میں جماعت کے اجتماعات میں شریک ہوتے رہے ہیں، خود ہمارے اپنے اساتذہ کرام جو اپنے ورع و تقویٰ اور پاکیزگیٔ قلب و نظر میں معروف و ممتاز تھے اس جماعت سے منسلک رہے ہیں۔ ہمیں بعض مقامات پر جماعت کے طریقِ کار سے اختلاف بھی ہے، لیکن ہم اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ:

۱۔ جماعت نے دین کو سیاست کا آلۂ کار بنانے سے یک قلم احتراز کیا ہے۔

۲۔ جماعت نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ دین اپنا ایک مستقل وجود رکھتا ہے، جو اپنے قیام کے لیے پروپیگنڈے یا سیاست کی بیساکھیوں کا رہینِ منت نہیں ہے۔

۳۔ اگر آدمی اپنے مقصد میں مخلص ہے تو وہ معاندانہ اور ناساز گار فضا میں بھی خاموشی سے کام کر سکتا ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ تعلیمی اور سماجی اداروں کے ہزاروں نوجوان جماعت میں جوق در جوق شامل ہو رہے ہیں، اور ان جماعتوں سے بھاگ رہے ہیں، جنھوں نے اپنی ڈکشنری سے معنوی زندگی کی آبادی کا لفظ خارج کر دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تبلیغی جماعت نے ملک میں علم و دانش کی کوئی صحت مند روایت قائم کی ہو یا نہ، لیکن وہ اسلامی زندگی کے ایک اہم پہلو (خدا سے لگاؤ اور تزکیۂ قلب) پر عمل کر کے خاموشی سے شر و باطل کی طاقتوں پر ضرب کاری ضرور لگا رہی ہے۔

علّامہ اقبالؒ کا یومِ ولادت

پاکستان کی سیاسی، ثقافتی اور قانونی تاریخ کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کے بعد یہ دعویٰ کرنا جائز ہوگا کہ حضرت علّامہ نے جس مقدس مقصد کے لیے پاکستان کا خواب دیکھا تھا اور جس کی تعبیر کے لیے بابائے قوم کی بے داغ زندگی اور قوتِ ارادی نے برصغیر کی تاریخ کے رُخ کو بدل دیا تھا، ہمیں اس ارضِ موعود کا ابھی تک سراغ نہیں ملا، چنانچہ ہم انسانی وقار کے تحفظ اور عادلانہ، منصفانہ اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے ایک صحت مند سیاسی، ثقافتی اور اخلاقی کردار ادا کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں، جس کے نتیجے میں ہمیں بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ۱۹۷۱ء میں آگ کے دریاؤں سے گزرنا پڑا اور وقت کے ہاتھوں جامِ حوادث کا تلخ ترین جرعہ پینا پڑا۔ خیال تھا کہ ہم اس المیے (سقوطِ ڈھاکہ) سے کوئی سبق سیکھ کر اپنی بھولی ہوئی سچائی سے مضبوط پیمان وفا باندھیں گے، صد افسوس! بوجوہ ایسا نہ ہو سکا۔ چنانچہ ہم آج بھی اپنے معاشرے میں فکری ژولیدگی اور سیاسی و اخلاقی زندگی کی شکستگی کا نظارہ کر رہے ہیں۔